21

حقیقی بڑائی اور عظمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں ہی ہوتی ہے

جب قومیں بنتی ہیں تو ان کے افراد کی اصلاح کے لیے ایک لمبی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر مومن کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ دوسروں کی اصلاح کرے

(فرمودہ 13/ اگست 1954ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"کل پرسوں ہی مجھے ایک خط کسی احمدی کا ملا ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پندرہ سال میں فتح نصیب ہوگئی تھی اور صحابہؓ کے اخلاق ایسے تھے ایسے تھے لیکن جماعت کو وہ فتح نصیب نہیں ہوئی اور ان کے اخلاق بھی ایسے اچھے نہیں۔ ناظر عیش کرتے پھرتے ہیں حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے افسر نہایت تنگی سے گزارہ کرتے تھے۔

اصل میں تو یہ ایک بیمار دل کی آواز ہے۔ معترض ایسا شخص ہے جو کسی زمانہ میں یہ بھی دعوے کرتا رہا ہے کہ ہم بزرگ صوفیاء اتنے بڑے ہیں کہ نبیوں کی بھی کیا طاقت ہے کہ وہ ہمارے مقابلہ میں آئیں۔ اِس پر میں نے اُسے جماعت سے خارج کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد

اس نے توبہ کی اور اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کیا اور میں نے پھر اس کو جماعت میں شامل کر لیا۔ مگر کچھ مدت گزرنے کے بعد اس نے پھر مجھ سے خط و کتابت شروع کر دی کہ مجھے تو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ میں کیا کروں؟ گویا لیڈری کی حرص اس میں پھر عود کرنی شروع ہوئی۔ پس جہاں تک اس کی شخصیت کا سوال ہے میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ مگر میں نے اَور لوگوں سے بھی ایسے اعتراضات سنے ہیں۔

سو پہلی چیز تو یہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیشک چودہ پندرہ سال میں فتح نصیب ہو گئی۔ لیکن ہمیشہ مشابہہ چیزوں سے نتائج نکالے جاتے ہیں۔ غیر مشابہہ چیزوں سے کوئی نتائج نہیں نکالے جاتے۔ مثلاً کوئی کہے کہ انگور کے درخت کی تو ہزار سال عمر ہوتی ہے اور گندم جو ساری دنیا کو اتنا فائدہ پہنچاتی اور لوگوں کا پیٹ بھرتی ہے وہ پانچ مہینے میں ہی ختم ہو جاتی ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ گندم اور انگور کی آپس میں مشابہت کیا ہے۔ دونوں کا آپس میں کوئی جوڑ ہونا چاہیے۔ اِسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شرعی نبی تھے اور شرعی نبی دنیا میں چند ہی گزرے ہیں۔ ان کے حالات اور غیر شرعی نبیوں کے حالات میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ شرعی نبی ایک ایسی شریعت لاتا ہے جو دنیا کے لیے بالکل نئی ہوتی ہے۔ وہ نئی قسم کی عبادت بتاتا ہے، نئی قسم کا ذکر بتاتا ہے، نئی قسم کے اخلاق بتاتا ہے، نئی قسم کے اعمال بتاتا ہے۔ جن کو لوگ شروع میں سمجھ بھی نہیں سکتے کہ انہوں نے کیا کرنا ہے۔ مثلاً آج تم میں سے جاہل سے جاہل آدمی بھی جسے دین کی معمولی سی واقفیت ہو نماز کے موٹے موٹے مسائل بتا دے گا، روزے کے موٹے موٹے مسائل بتا دے گا لیکن حدیثوں کو ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی سوال کر رہے ہیں کہ یَارَسُولَ اللّٰہ! فلاں مسئلہ کس طرح ہے، فلاں مسئلہ کس طرح ہے؟ اب کیا یہ سمجھا جائے گا کہ تم ابوبکرؓ اور عمرؓ سے بھی بڑے ہو؟ ہر جاہل سے جاہل اور کُودن سے کُودن انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ نئے نئے مسائل سیکھ رہے تھے اور تم وہ ہو جو اپنے باپ دادا سے ان مسائل پر عمل کرتے چلے آ رہے ہو۔ تم نے دیکھا کہ تمہارا باپ اور دادا اور تمہارے دوسرے رشتہ دار اس اس طرح نماز پڑھا کرتے ہیں سو تم بھی اسی طرح نماز پڑھنے لگ گئے۔ آج ہر شخص جانتا ہے کہ اس نے نماز میں

باتیں نہیں کرنی، اِدھر اُدھر نہیں دیکھنا مگر حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض دفعہ صحابہؓ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے کہ اوپر سے ایک شخص آتا اور کہتا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ 1 اور وہ نماز میں ہی جواب دے دیتے کہ وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ۔ یا کوئی سجدہ میں دعا کر رہا ہے تو ساتھ والا مشورہ دے رہا ہے کہ یہ دعا بھی ساتھ شامل کر لو۔2 اس کی وجہ یہی ہے کہ اُس وقت مسائل نازل ہو رہے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ ہدایت دیتے چلے جاتے تھے۔ جب کوئی نماز میں ہی سلام کا جواب دے دیتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ نماز میں جواب نہیں دینا چاہیے3 اور وہ رُک جاتا۔ پھر انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو نماز میں مشورہ دینا شروع کیا اور خیال کیا کہ یہ تو منع نہیں ہوگا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے بھی منع فرما دیا۔4 اُن کی مثال ایک چھوٹے بچے کی سی تھی اور تمہاری مثال ایک بڑے آدمی کی سی ہے۔ گو وہ درجہ میں تم سے لاکھوں گنے بڑے تھے۔ ایک چھوٹا بچہ نماز پڑھتا ہے تو ساتھ ساتھ پوچھتا بھی جاتا ہے کہ اب میں نے کیا کرنا ہے؟ سجدہ میں جاتا ہے تو کہتا ہے اماں! اب کیا کرنا ہے؟ پھر سجدہ سے اٹھتا ہے تو پوچھتا ہے امّاں! اب کیا کرنا ہے؟ اور ماں اُسے بتاتی جاتی ہے۔ اس طرح اُن کو مسائل کا پتا ہی نہیں تھا اور وہ پوچھنے پر مجبور تھے۔ پھر بعض دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ابھی آدھا حکم نازل ہوتا تھا اور آدھا نازل ہونے والا ہوتا تھا اس لیے جُوں جُوں احکام کا نزول ہوتا جاتا آپؐ بتاتے جاتے۔

بہرحال مقابلہ کے لیے دو چیزوں میں مشابہت کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ شرعی نبیوں کے احکام چونکہ نئے ہوتے ہیں جو لوگوں کو سیکھنے پڑتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت ہے کہ وہ شریعت والے نبی کو اُس کے زمانہ میں ہی حکومت دے دیتا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ حکومت سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر حکومت نہیں ہوگی تو لوگوں کو زکوٰۃ کے مسئلہ کا صحیح طور پر علم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ احکام کی عمل سے تشریح ہوتی ہے۔ ایک ناواقف انگریز کو اگر کوئی نماز کا رسالہ دے دیتا ہے تو وہ محض اس رسالہ کو دیکھ کر نماز نہیں پڑھ سکے گا۔ لیکن تم پڑھ لو گے۔ اس لیے کہ تم نے اپنے باپ دادا کو نماز پڑھتے دیکھتا ہے۔ پس چونکہ اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ اگر شرعی نبی کے زمانہ میں ہی دینی احکام کی وضاحت نہ ہوئی تو پچھلے لوگوں کے لیے مصیبت

آجائے گی اس لیے وہ شرعی نبیوں کو اُن کے زمانہ میں ہی حکومت دے دیتا ہے تا کہ وہ ان احکام پر عمل کر کے لوگوں کے لیے ایک نمونہ قائم کر سکیں۔ غیر شرعی نبیوں کے لیے نہ نماز کی مشکل ہے، نہ روزہ کی مشکل ہے، نہ حج کی مشکل ہے، نہ زکوٰۃ کی مشکل ہے۔ ان کا یہی کام ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم نماز چھوڑ بیٹھے ہو نماز پڑھو، روزہ چھوڑ بیٹھے ہو روزہ رکھو، حج چھوڑ بیٹھے ہو حج کرو، زکوٰۃ چھوڑ بیٹھے ہو زکوٰۃ دو۔ یہ نہیں کہ لوگ اُن سے پوچھیں نماز کیا ہے اور روزہ کیا ہے اور حج کیا ہے اور زکوٰۃ کیا ہے۔ وہ صرف عمل کی تلقین کرتے ہیں یا ان کی صحیح حکمتیں بتاتے ہیں۔ مگر حج کو بغیر حکومت کے قائم نہیں کیا جا سکتا۔ زکوٰۃ کو بغیر حکومت کے قائم نہیں کیا جا سکتا۔ مقدمات کی قضاء بغیر حکومت کے قیام کے نہیں ہو سکتی۔ اس لیے شریعت والے نبیوں کو اُن کے زمانہ میں ہی حکومت دی جاتی ہے لیکن غیر شرعی نبیوں کو حکومت کا دیا جانا ضروری نہیں۔

اِسی لیے حضرت مرزا صاحب کا نام مسیحؑ رکھا گیا اور مسیحؑ کی جماعت کو تین سو سال بعد حکومت ملی تھی۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو وہ بے شک ملک تو نہیں ملا جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا مگر مصر سے نکلنے کے بعد اُن کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ پس جن نبیوں کے پاس شریعت ہوتی ہے اُن کے احکام اَور ہوتے ہیں اور دوسروں کے احکام اَور ہوتے ہیں۔ یہ صرف دل کی چاٹ ہوتی ہے کہ ہمیں بھی حکومت مل جائے اور ہم بھی لیڈر بن جائیں۔ خدا کی حکومت سے ایسے لوگوں کو کوئی غرض نہیں ہوتی۔ دین سے ایسے لوگوں کو کوئی محبت نہیں ہوتی۔ صرف اتنی خواہش ہوتی ہے کہ کہیں ہم بھی وزیر ہو جائیں۔ گویا لالچ اور حرص ان سوالات کے پسِ پردہ کام کر رہی ہوتی ہے۔ حالانکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دین کے ساتھ حکومت کا کیا تعلق ہے۔ خدا سے تعلق ہو جائے تو حکومتیں اس کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہوتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کیا کوئی حکومت تھی؟ مگر خدا کہتا ہے کہ

''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' [5]

اب ایک شخص بادشاہ ہے اور ایک شخص ایسا ہے کہ بادشاہ اس کے سامنے جھک جاتا ہے۔ تو دونوں میں سے بڑا کون ہوا؟ پس بغیر بادشاہت کے بھی بڑائی ہو سکتی ہے۔

مگر اُسی وقت جب لالچ اور حرص کو چھوڑ دیا جائے۔

باقی یہ کہ احمدی ایسے ہیں اور ویسے ہیں سو اِس کا جواب یہ ہے کہ یہی کام ہر احمدی کا ہے کہ وہ دوسرے کو نیک بنائے۔ پس بجائے اس کے کہ وہ اعتراض کرے وہ یہ بتائے کہ اس نے کتنوں کو نیک بنانے کی کوشش کی ہے۔ یا تو وہ یہ کہے کہ احمدی نیک نہیں ہو سکتے۔ اور اگر یہی بات ہے تو پھر وہ خود احمدیت کو کیوں چھوڑ نہیں دیتا؟ وہ آپ اس گند میں کیوں آ گیا ہے؟ اور اگر احمدی نیک بن سکتے ہیں تو وہ ان کو کیوں نہیں بناتا؟ پس یہ اعتراض بھی عقل کے خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب قومیں بنتی ہیں تو اُن کے افراد کی اصلاح کے لیے ایک لمبی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال اُس کارخانہ کے مالک کی سی نہیں جس کے کارخانہ میں بڑی بڑی مشینیں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس میں لوہا بھی ہوتا ہے، پیتل بھی ہوتا ہے، کاریگر بھی ہوتے ہیں اور وہ کارخانہ اعلیٰ قسم کی لالٹینیں بناتا چلا جاتا ہے۔ آپ کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس کے سپرد ٹوٹی ہوئی لالٹینوں کی مرمت کی جاتی ہے۔ اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مرمت پر کتنا وقت لگتا ہے۔ یہیں دیکھ لو! ہمارے ٹریکٹر پر چھ ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے مگر وہ کھڑا ہے۔ جب پوچھو تو کہتے ہیں کہ فلاں جگہ سے لِیک کر رہا ہے، فلاں جگہ سے پٹرول ٹپکتا ہے لیکن نئے ٹریکٹر ایک ایک دن میں دس دس، پندرہ پندرہ اور بیس بیس بھی کارخانے والے نکال دیتے ہیں۔ لیکن ایک ایک ٹریکٹر کی مرمت کرنے میں چھ چھ مہینے لگ جاتے ہیں۔ تو بگڑی ہوئی چیز کو درست کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ٹوٹی ہوئی لالٹینیں دی گئی ہیں کہ ان کو درست کرو۔ ہم ٹانکا لگاتے ہیں تو ہمیں پتا لگتا ہے کہ اب لالٹین دوسری طرف سے ٹپک رہی ہے۔ پھر اُس جگہ ٹانکا لگاتے ہیں تو ایک تیسرا نقص نکل آتا ہے۔ پس ہماری مثال کارخانے والوں سے نہیں ملتی۔ انہوں نے نیا مال لینا ہے اور نکالتے چلے جانا ہے اور ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ اس کو کہاں کہاں ٹانکا لگنا ہے۔ بعض دفعہ ٹانکا نہیں لگتا تو سارا تلا بدلنا پڑتا ہے یا باڈی بدلنی پڑتی ہے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اس مرمت کے بعد جو چیز بنے گی وہ اُس قیمت کی نہیں ہوگی جس قیمت کی کارخانہ میں بنی ہوئی

نئی چیز ہوتی ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ وہ جیسی بھی بنے گی مشکل سے بنے گی کیونکہ اس کے اندر مخفی خرابیاں موجود ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مثال دیا کرتے تھے کہ خالی تختی پر لکھنا کتنا آسان ہوتا ہے لیکن خراب تختی پر جس پر جابجا لکھا ہوا ہو اُس پر کچھ اَور لکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اُس پر لکھنے کے لیے پہلے انسان اُسے دھوئے گا، پھر گاچنی لگائے گا، پھر خشک کرے گا اور پھر لکھے گا۔ لیکن خالی تختی پر بڑی آسانی سے خوشخط لکھا جا سکتا ہے۔

غرض ہمارے زمانہ میں لوگ مذہب سے اتنے دور ہو چکے ہیں اور ان کے دلوں پر اتنی غلط باتیں لکھی جا چکی ہیں کہ خداتعالیٰ سے ان کا تعلق کٹ چکا ہے اور دین سے ان کو اتنا بُعد ہو چکا ہے کہ جس طرح ریتی لے کر رگڑا جاتا ہے اِسی طرح ہم بھی ان کو رگڑتے ہیں۔ مگر بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعد میں ہمیں پتا لگتا ہے کہ جہاں سے رگڑنا چاہیے تھا وہاں سے تو ہم نے رگڑا ہی نہیں۔ کسی اَور جگہ رگڑتے رہے ہیں۔ پھر وہ ہیں بھی انسان اور انسان انکار بھی کر بیٹھتا ہے اور کہتا ہے میں تو نہیں مانتا۔ پس اگر کسی کو جماعت کے افراد میں کوئی نقص نظر آتا ہے تو اُس کا فرض ہے کہ اُس نقص کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اعتراض کرنا محض حماقت ہے کیونکہ اس میں جیسے زید کی ذمہ داری ہے ویسی ہی عمر اور خالد کی بھی ذمہ داری ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ تھے جو بھوپال میں رہا کرتے تھے۔ اور میں کبھی کبھی اُن سے ملنے کے لیے چلا جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کام زیادہ ہوا تو میں کئی دن تک ان سے ملنے کے لیے نہیں گیا۔ بہت دنوں کے بعد جب میں گیا تو مجھے دیکھ کر فرمانے لگے نورالدین! اتنے دن ہو گئے تم آئے نہیں؟ میں نے کہا کام زیادہ تھا، پڑھائی کی طرف زیادہ توجہ رہی اس لیے آ نہیں سکا۔ کہنے لگے کبھی تم قصاب کی دکان پر گئے ہو؟ میں نے کہا کئی دفعہ۔ کہنے لگے تم نے دیکھا ہو گا کہ وہ گوشت کاٹتے ہوئے تھوڑی دیر کے بعد چھریاں آپس میں رگڑ لیتا ہے۔ تمہیں کبھی خیال نہیں آیا کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ پھر خود ہی کہنے لگے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ گوشت کاٹتے کاٹتے چھریوں کو چکنائی لگ کر اُن کا منہ کُند ہو جاتا ہے۔ جب وہ چھریاں آپس میں رگڑتا ہے تو چکنائی دور ہو جاتی ہے اور چھریاں پھر تیز ہو

جاتی ہیں۔ یہ مثال دے کر کہنے لگے جس طرح قصاب کی چھریوں کو گوشت کاٹتے وقت چکنائی لگ جاتی اور اُن کا منہ کُند ہو جاتا ہے اِسی طرح جب انسان دنیا کے دھندوں میں مشغول ہوتا ہے تو اُس کی روح کچھ نہ کچھ کُند ہو جاتی ہے۔اُس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کسی نیک آدمی کی صحبت میں بیٹھے تا کہ اُس کی روح میں پھر تازگی پیدا ہو جائے اور دنیوی آلائش کا اثر جاتا رہے۔ پس تمہیں جلد جلد ملتے رہنا چاہیے۔ دوسرے لوگوں کے ملنے سے کچھ تم پر اثر ہوتا ہے اور کچھ ہم پر اثر ہوتا ہے اور چونکہ ہم دونوں کے دلوں میں خداتعالیٰ کی محبت پائی جاتی ہے اس لیے جب ہم ملتے ہیں تو ہمارا زنگ دور ہو جاتا ہے۔

پس ہر مومن کو کوشش کرنی چاہیے کہ دوسرے کی اصلاح کرے بشرطیکہ اس کے اندر نیک نیتی پائی جاتی ہو۔ یہ نہ ہو جیسے میں نے ایک شخص کی مثال دی تھی کہ کہنا شروع کر دے مجھے یہ الہام ہوا ہے ، مجھے وہ الہام ہوا ہے، فلاں مر جائے گا، فلاں کو ترقی مل جائے گی۔یہ محض خودغرضی ہوتی ہے اور ایسا انسان صرف اپنی بڑائی کا خواہشمند ہوتا ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل کے زمانہ میں ایک دفعہ عبداللہ تیماپوری قادیان آیا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں احمدی ہوا تھا۔مگر بعد میں خود مدعی بن بیٹھا اور اُس نے روز مجھے رقعے لکھنے شروع کر دیئے کہ مجھے مان لو،میں مصلح موعود ہوں۔ تھا کھاتا پیتا آدمی۔ کچھ سُودی لین دین بھی کرتا تھا اور اس کے مُرید بعض اچھے اچھے عُہدوں پر تھے اور پھر صدقہ و خیرات کرتے رہنا اور غرباء کو کھلانا بھی اُس کی عادت میں داخل تھا۔ میرے پاس جب بار بار اُس کے رقعے پہنچے تو میں نے ایک دفعہ اُس کو بلوایا اور کہا آپ کے رقعے تو روز آتے ہیں مگر مجھے فیصلے کا کوئی ذریعہ معلوم نہیں ہوتا۔آپ کہتے ہیں مجھے مان لومگر سوال یہ ہے کہ میں آپ کو کیوں مان لوں؟ کہنے لگا آپ نے مولوی صاحب کو مانا ہوا ہے یا نہیں؟ پھر مجھے ماننے میں کیا عُذر ہے؟ میں نے کہا حضرت مولوی صاحب کو ہم نے خلیفہ مانا ہے اور ہر مأمور کے بعد اُس کا کوئی نہ کوئی قائم مقام ہوتا ہے۔ اور یہ ایک طبعی اور عقلی بات ہے کہ کوئی شخص ایسا ضرور ہونا چاہیے جو جماعت کو سنبھالے ورنہ کام سب تباہ ہو جاتا ہے۔ اس غرض کے لیے ہم نے مولوی صاحب کی اتباع کی ہے۔تم یہ تو کہہ سکتے ہو کہ ہم نے آدمی کے

انتخاب میں غلطی کی ہے مگر تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے ایک شخص کو خلیفہ ماننے میں غلطی کی ہے کیونکہ مامور کے بعد اُس کا کوئی نہ کوئی خلیفہ ضرور ہونا چاہیے۔ مگر آپ تو کہتے ہیں میں مامور ہوں۔ پس سوال یہ ہے کہ ہم آپ کو کیوں مان لیں؟ کہنے لگا مجھے خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ میں نے کہا اِس طرح تو جس کے جی میں آئے گا کہہ دے گا کہ مجھے الہام ہوتا ہے۔ پھر کیا میں ہر ایک کو مانتا پھروں گا؟ کہنے لگا نہیں، مجھے سچا الہام ہوتا ہے۔ میں نے کہا میں نے تو آج تک کوئی شخص نہیں دیکھا جو یہ کہتا ہو مجھے جھوٹا الہام ہوتا ہے۔ ہر شخص یہی کہتا ہے کہ مجھے سچا الہام ہوتا ہے۔ کہنے لگا آپ نے مرزا صاحب کو مانا ہے یا نہیں؟ اگر الہام کی وجہ سے نہیں تو کس وجہ سے آپ نے اُن کو مانا ہے؟ میں نے کہا ہم نے مرزا صاحب کو اس لیے مانا ہے کہ قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں پتا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو مامور بنا کر بھیجتا ہے تو اُس کے آنے سے پہلے ہی اُس کی صداقت کے گواہ پیدا کر دیتا ہے اور وہ گواہ اُس کی صداقت کا ثبوت ہوتے ہیں ورنہ خالی دعوٰی اُس کی صداقت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ پھر میں نے کہا آپ مرزا صاحب کے زمانہ میں آئے تھے۔ اگر مرزا صاحب آپ کو مان لیتے تو یہ سب جھگڑا ختم ہو جاتا۔ کہنے لگا اصل بات یہ ہے کہ نبی کی فال پر بڑی نظر ہوتی ہے۔ جب میں آپ سے ملنے کے لیے آیا تو اُس وقت میں نے کالا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ مرزا صاحب نے میرا کالا کوٹ دیکھ کر مجھے نہیں مانا۔ کیونکہ کالا رنگ منحوس ہوتا ہے۔ میں نے کہا یہ دلیل آپ کے نزدیک چلتی ہو گی، مرزا صاحب کے لیے تو جو خدا تعالیٰ نے دلیل پیدا کی تھی وہ یہ تھی کہ ابھی آپ نے دعوٰی بھی نہیں کیا تھا کہ اُس نے آپ کے ہاتھ سے براہین لکھوا دی۔ جس نے بھی براہین کو دیکھا اُس نے سمجھ لیا کہ یہ شخص خدا رسیدہ ہے کیونکہ قرآن کی معرفت بغیر خدا رسیدہ انسان کے اَور کسی کو نہیں ہوسکتی۔ جب لوگوں پر ثابت ہو گیا کہ آپ قرآن کی خدمت کرنے والے ہیں، خدا تعالیٰ کی محبت رکھنے والے ہیں، دین کی اشاعت کرنے ہیں تو اس کے بعد جب آپ نے دعوٰی کیا تو لوگوں نے آپ کو مان لیا۔ اور پھر ان کے ایمانوں کی اِس رنگ میں زیادتی ہوتی چلی گئی کہ آپ نے پیشگوئیاں کیں اور وہ پوری ہو گئیں۔ کہنے لگا میں نے بھی کئی پیشگوئیاں کی ہوئی ہیں۔ میں نے کہا جب وہ پوری ہوں گی اُس وقت مجھے

رقعہ لکھنا۔ ابھی سے میرا وقت کیوں ضائع کر رہے ہو؟ خیر وہ چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد میں نے حضرت خلیفہ اوّل کو سنایا کہ اِس اِس طرح عبداللہ تیماپوری سے باتیں ہوئی ہیں۔ فال والی بات سن کر آپ بہت ہنسے اور فرمانے لگے میری طرف سے اُسے کہنا (عبداللہ تیماپوری کا رنگ کالا تھا) کہ مرزا صاحب نے تیرا کالا کوٹ دیکھ کرنہیں مانا تو ہم تیرا کالا رنگ دیکھ کر کس طرح مان لیں؟ تو اِس رنگ کی بھی بعض طبیعتیں ہوتی ہیں۔ اصل میں وہ دنیا میں بڑھنا چاہتے ہیں مگر چونکہ انہیں اَور کوئی سامان میسر نہیں ہوتے اس لیے وہ الہام کے دعوے کرنے لگ جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ہر دعوے کا کوئی ثبوت بھی ہونا چاہیے اور سچائی کی کوئی علامت بھی ہونی چاہیے۔ وہ علامتیں قرآن کریم نے بیان کی ہیں اور اُن کے مطابق سچائی کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اِس زمانہ میں اسلام ایک مصیبت میں پھنسا ہوا ہے اور کفر کا دنیا پر غلبہ ہے۔اب جو شخص قرآن اور اسلام کی خدمت کر کے دکھا دے گا ہم مان لیں گے کہ وہی ہے کہ جس کی زمانہ کو ضرورت تھی۔

حضرت مرزا صاحب نے یہی کہا کہ

میں نہ آتا تو کوئی اَور ہی آیا ہوتا[6]

اس کی وجہ یہی ہے کہ جب اسلام ایک بیمار کی طرح تھا تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے علاج کے بغیر رہنے دیتا۔ یہی ہم غیراحمدیوں سے کہتے ہیں کہ جو مسیحؑ نے کام کرنا تھا جب وہ سب کچھ مرزا صاحب کر رہے ہیں تو تمہیں ان کے ماننے میں عُذر کیا ہے؟ مسیحؑ نے عیسائیت کا زور توڑنا تھا وہ زور مرزا صاحب نے توڑا دیا۔ مسیح نے غلط خیالات اور غلط عقائد کی اصلاح کرنی تھی وہ آپ نے کر دی۔ اِسی طرح قرآن کی آپ نے خدمت کی۔ اسلام کی آپ نے اشاعت کی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو آپ نے پھیلایا۔ پھر اَور کون سا کام ہے جو مسیح آ کر کرے گا۔ اور جب ایک شخص نے ثابت کر دیا ہے کہ اُس نے اصلاح کر کام کر دیا ہے تو انکار کے کوئی معنے نہیں۔لیکن بُکّل مار لی، چارپائی کے نیچے گھس گئے اور دوسرے کے کان میں کہہ دیا کہ مان لو! مجھے الہام ہوتا ہے اور ہم نے ذکرِالٰہی کے بہانہ سے ''ہُو ہُو'' کرنا شروع کر دیا۔ تو نہ ایسے ایمان کی کوئی حقیقت ہے اور نہ ایسے الہام کی

کوئی حیثیت ہے۔ نبی آتا ہے تو وہ دھڑلّے سے کہتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ اگر دین کو اس کام کی ضرورت نہیں تو تم ثابت کر دو کہ دین اس کے بغیر بھی زندہ ہوسکتا ہے۔ اور اگر میرے علاوہ کسی اَور نے بھی ایسا کام کیا ہے تو اُس کو سامنے لاؤ۔ یا اگر کسی کو کارکنی کا دعوٰی ہے تو وہ ایسا ہی کام کر کے دکھاوے اور ایک نیک جماعت پیدا کر دے۔ دنیا اُسے خودبخود مان لے گی۔ لیکن یہ کتنی بڑی منافقت ہے کہ اُدھر ایک شخص مرزا صاحب کو مانتا ہے اور اِدھر کہتا ہے کہ آپ کا کام ناقص تھا۔ اگر ان کا کام ناقص تھا تو پھر کسی اَور کی ضرورت ہے۔ اور یا پھر تم خود اس کام کو پورا کر کے دکھا دو دنیا خود فیصلہ کر لے گی کہ تم نے وہ کام پورا کیا ہے یا نہیں''۔ (الفضل 31/اگست 1954)